

امیر نصر بن احمد سامانی نے جب خراسان کو فتح کیا تو ہرات کی فرحت بخش آب و ہوا سے مسحور ہو کر وہیں مقیم ہو گیا۔ جب اہل ہرات اور امرا اس طویل قیام سے تنگ آ گئے تو انہوں نے استاد ابو الحسن رودکی سے درخواست کی کہ وہ کسی طرح امیر کو بخارا (اصلی وطن) لوٹنے پر رضامند کرے۔ چنانچہ رودکی نے ایک قصیدہ لکھا اور جب امیر شراب میں مست تھا اسے سنایا تو وہ اس قدر متاثر ہوا کہ بغیر موزے پہنے گھوڑے پر سوار ہو کر وطن روانہ ہو گیا۔

ایشیاء میں بھی ایسے مواقع نظر آتے ہیں جن سے سننے والوں کے دل بے قابو ہو جاتے ہیں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ نوربائی گائے جو نہایت مترنم آواز رکھتی تھی ایک دن نواب روشن الدولہ کے ہاں بیٹھی ہنسی مذاق میں مصروف تھی کہ اچانک میراں سید بھیک صاحب کی سواری آگئی نواب نے بائی کو دوسرے کمرے میں بٹھا کر آگے پردہ ڈال دیا۔ جب اتفاقہ طور پر میراں صاحب کو بہت دیر ہو گئی تو وہ باہر نکل آئی اور شیخ و میراں صاحب سے اجازت لے کر عمر خیام کی ایک رباعی سوز و گداز کی لے میں گانے لگی۔ شیخ صاحب اس رباعی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ دیر تک نیم بسمل کی طرح پھڑکتے رہے اور کافی مشکل کے بعد ہوش میں آئے۔ مندرجہ بالا مثالوں کے پیش نظر شعر کی تاثیر واضح ہو جاتی ہے۔

کیا شاعری سوسائٹی کی تابع ہے؟

شاعری ماحول کی پروردہ ہے۔ اگر ماحول سازگار ہو۔ اور سوسائٹی کی رغبتیں اور میلان اچھا ہو تو شعر سے بہت عظیم کام لئے جاسکتے ہیں لیکن اگر سوسائٹی کے رجحانات اور مذاق زمانہ مختلف ہو تو شعر قوی اصلاح کرنے کے بجائے معاشرے کو اور بگاڑ دیتا ہے۔ اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ شاعری سوسائٹی کی تابع ہے، جس قدر سوسائٹی کی رغبتیں اور رجحانات بدلتے ہیں۔ شاعری کے انداز فکر و نظر کی تبدیلی اس کے کلام کو نیا رنگ بخشی ہے کیونکہ ماحول کو دیکھ کر شاعر قصداً اپنا رنگ نہیں بدلتا بلکہ زمانے کے ساتھ ساتھ خود بھی بدلتا جاتا ہے۔ عبید زاکانی جو مختلف علوم میں ماہر تھا ایک دفعہ بادشاہ سے ملنے گیا تو پتہ چلا کہ بادشاہ مسخروں کی محفل میں مشغول ہے اور کسی سے ملنے کی فرصت نہیں۔ زاکانی نے کہا کہ اگر مسخری سے شاہی قرب حاصل ہو سکتا ہے تو علم حاصل کرنا فضول ہے۔ اس دن سے علم و ہنر کو ترک کر کے ہزل گوئی اختیار کی۔ یہ فعل سوسائٹی کے دباؤ کا نتیجہ تھا۔ خوشامد ایک سچے اور جوشیلے شاعر کو ہزل گوئی اختیار کرنے پر مجبور کر دیتی ہے کیونکہ جب ماحول میں جھوٹ کا راج ہو اور خوشامد کو پسند کیا جاتا ہو تو ایک ایسا شاعر جو صرف اپنے سیدھے سادھے انداز بیان اور نیچرل شاعری کا دلدادہ ہے، اس کے کلام کو مقبولیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ وہ بھی اپنے کلام کو مقبول عام کرنے کے لئے وہی انداز اختیار کرے گا جو اس کے ہم عصروں نے کیا ہوا ہے۔

مزاق ۱۱۱۱

شخصی حکومتوں میں شاعری کو زوال اور بھی مکمل ہو جاتا ہے کیونکہ جب ہزل گوئی اور تمسخر کا دور دورہ ہو تو وہ شاعری نہیں ہے بلکہ ایسا میٹھا زہر ہے جو آہستہ آہستہ انسانی ذہن کے شگفتہ و پاکیزہ خیالات کو ختم کر دیتا ہے اور

ہوس کو بڑھاتا ہے۔ خود مختار بادشاہ جو بیت المال کو اپنی ذاتی جاگیر سمجھتے ہیں، شاعروں کو بے اندازہ دولت بخش کر ان کے جذبات احساسات خرید لیتے ہیں۔ ان کی بے دریغ بخشش شعراء کے لئے سم قاتل ہوتی ہے۔ شاعر جسے قوم کے لئے سرمایہ افتخار ہونا چاہیے، بندہ ہوا ہوس بن جاتا ہے۔ پہلے پہل تو صرف مدح و ستائش پر قناعت کی جاتی ہے۔ پھر آہستہ آہستہ شاعری میں جھوٹ، مبالغہ اور غلو شامل ہو جاتا ہے اور پھر یہ حالت ہو جاتی ہے کہ جس کے کلام میں جتنا مبالغہ ہو وہ زیادہ مقبول ہو جاتا ہے۔ دیگر شعراء بھی اسی تقلید میں اپنے کلام میں زیادہ سے زیادہ غلو شامل کرتے ہیں اور شاعری ہزل گوئی کی آخری حد چھو لیتی ہے شاعری کا مدار جھوٹی تہمتیں باندھنے پر رہ جاتا ہے۔ شاعروں کو ایسی باتوں کے علاوہ دیگر کوئی مضمون نہیں سوچتا جن کو سن کر نفس سوتا ہو۔ لہذا ان کی قدر زیادہ ہوتی ہے اور گراں بہا عطیے سونے پر سہاگے کا کام دیتے ہیں وہ لوگ بھی شاعری اختیار کرتے ہیں جن کو یہ ملکہ فطرت سے ودیعت نہیں ہوتا دیگر شعرا کی بھونڈی نقالی کر کے شاعری کو پستی کے گڑھے میں دھکیل دیتے ہیں شاعری کا حاصل قرب سلطانی کے بغیر کچھ نہیں رہتا۔

ان وجوہات کی بناء پر شاعری پر ماحول کا اثر اس قدر زیادہ ہوتا ہے کہ شاعری قومی اصلاح کی بجائے اور بھی معاشرے کو پستی کی طرف لے جاتی ہے اور آخر کار شاعری ہی ایک ایسا زبردست آلہ بن جاتی ہے جو سوسائٹی اور ماحول کی تباہی کا باعث ہے۔

بریں شاعری کے اثرات سوسائٹی پر

(۱۱)

بریں شاعری سے اخلاق اور زبان و ادب کو نقصان پہنچتا ہے۔ اگرچہ شاعری ماحول کی تابع ہے۔ لیکن جب شاعری بگڑ جاتی ہے تو اس کے فاسد و بدترین اثرات سے اخلاق اور زبان و ادب بھی محفوظ نہیں رہتے۔ شاعری کا فاسد مواد سوسائٹی یا ماحول پر بھی برا اثر ڈالتا ہے۔ جب جھوٹی شاعری کا رواج ہو جاتا ہے اور جھوٹ اور مبالغہ سے سب کے کان مانوس ہو جاتے ہیں تو شاعر اپنے کلام کو اور بھی زیادہ مبالغے میں مزین کرتے ہیں جھوٹ اور ہزل گوئی کا رواج شخصی زندگی کا لازم جزو بن جاتا ہے اور آہستہ آہستہ سچے واقعات اور حقائق سے طبیعت بیزار ہو جاتی ہے۔ لوگوں کو اخلاقیات اور سیدھے سادے وقائع سے گھبراہٹ محسوس ہونے لگتی ہے۔ علم سائنس، ریاضی، جغرافیہ دیگر مادی سائنس میں لوگوں کی دلچسپی نہیں رہتی۔ فحش قصے کہانیاں، اور محال خیالات دلوں کو خوش کرنے لگتے ہیں۔ ذہن پہلے ہی سے پر آگندہ ہوتا ہے اس پر ستم بالائے ستم ایسے قصوں کا ذوق انسانی اخلاق کو تباہ کر دیتا ہے۔ اخلاق ذمیہ سوسائٹی میں جڑ پکڑتے جاتے ہیں۔ برائی ترقی پاتی ہے۔ دین و مذہب سے بیگانگی انسان کو برائی کے راستے پر لے جاتی ہے جہاں سے واپسی ناممکن تو نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اس طرح قومی اخلاق تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

بري شاعري كے اثرات زبان و ادب پر

سب سے بڑا نقصان جو بري شاعري كا ماحول پر پڑتا ہے وہ زبان و ادب كى تباہى ہے جھوٹ اور مبالغے كے عام ہونے كى وجہ سے يہ رنگ فسى كى تقرير 'خواص اور اہل ملك كے روزمرہ اور بول چال تك پہنچتا ہے۔ كيونكہ زبان ميں عموماً وہى الفاظ اور خيالات رائج ہوتے ہيں جو شعراء كے كلام كا جزو خاص ہيں۔ جو شخص بھى ملكى زبان و ادب كے فروغ كے لئے شعراء اور ادباء كے كلام سے كچھ اخذ كرتا ہے تو وہ جھوٹ اور غلو ہے جو ان كى دلکش تشبيہوں و استعاروں ميں پوشيده ہے جو شعراء كے كلام سے اخذ كئے گئے ہيں۔ اس طرح مبالغہ زبان اور ادب ميں سرايت كر جاتا ہے۔ زبان ميں اكثر فحش و نامناسب الفاظ رائج ہو جاتے ہيں اور زبان كے بگڑنے ميں كوئى چيز مانع نہيں رہتى 'شاعري جب چند مضامين ميں محدود ہو جاتى ہے تو زبان ميں نئے الفاظ 'نئى تشبيہوں اور استعاروں كے داخلے كى گنجائش نہيں رہتى اور بار بار وہى محاورے اور گفتگو سن كر دل و دماغ اكتا جاتے ہيں۔ خبيثہ "زبان بجائے وسيع ہونے كے روز بروز محدود ہو جاتى ہے اور پرانا ذخيرہ الفاظ بھى ختم ہو جاتا ہے۔ يہاں تك كہ پرانے نمونے كتبوں ميں بند رہ جاتے ہيں يا استعمال ميں لائے ہی نہيں جاتے۔

نئے شاعروں اور فصحاء كو انہى پرانے نمونوں سے استفادہ كرنا پڑتا ہے اور بار بار اپنے كلام ميں وہى پرانى باتیں اسى ڈھنگ پر لائى جاتى ہيں۔ الغرض وہى كلام بار بار پيش كيا جاتا ہے اور زبان و ادب كى مٹی پليد ہو جاتى ہے۔ ادب و شاعري كا چولى دامن كا ساتھ ہے جب شاعري بگڑ جاتى ہے تو ادب كى بربادى لازم ہے۔ جب فن شاعري اس حالت كو پہنچ جائے تو اس كا سنوارنا مشكل ہو جاتا ہے كيونكہ شعراء ميں كون ايسا ہے جو زمانے كى روش سے ہٹ كر اپنى راہ الگ بنائے وہ كس طرح اپنے رقيبوں كى طعنہ زنى كو برداشت كرے گا۔ اگر وہ ايسا كرتا بھى ہے اور اپنى ذہن كى نئى سوچ كو عوام كے سامنے لاتا ہے تو كون اس كے كلام كو پسند كرے گا اور اگر كوئى اس كو داد دے گا بھى تو اس كى مرضى كے مطابق نہ ہوگى۔ پس ايك شاعر اپنے ميں ہمت نہيں پاتا كہ زمانے كے خلاف اپنا منشور بنائے۔

شاعري كى اصلاح صرف اسى طور پر ہو سكتى ہے كہ جہاں تك ہو سكے شعراء عمدہ نمونے عوام كے سامنے پيش كريں اور پرانى روش كو ترك كر ديں ورنہ شاعروں كے ساتھ ساتھ زبان و ادب كى تباہى بھى ممكن ہو جاتى ہے۔

حالى كے خيال ميں شعر ميں كيا خوبياں ہونى چاہئیں؟

حالى نے شعر كى خويوں كے بارے ميں ملٹن كے خيال كى تائيد كى ہے۔ "سادہ ہو، جوش سے بھرا ہو، اور اصليت پر مبنى ہو۔"

حالى اردو كى مروجہ شاعري سے بد دل تھے۔ وہ چاہتے تھے كہ اردو شاعري كى منزليں طے كرے چنانچہ انہوں نے شعر ميں خوبياں تلاش كرتے وقت ملٹن كے قول كو پسند كيا ہے حالانكہ ملٹن كا يہ قول انگریزى تنقيد ميں

کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا اور اسی نظریے کا ذکر کالرج کے سوا کسی نے نہیں کیا۔ ملٹن نے خطابت کے مقابلے میں شاعری کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھا تھا۔

POETRY IS SIMPLE, SENSUOUS, AND PASSIONATE.

حالی نے اس کا ترجمہ سادگی۔ اصلیت اور جوش کے الفاظ سے کیا ہے۔ حالانکہ اس "SENSUOUS" کا ترجمہ "اصلیت" غلط ہے۔ دراصل حالی نے شاعری کے اہم پہلو کو نظر انداز کر دیا ہے۔ یعنی حسی رجحانات کا ذکر نہیں کیا۔ خود ان کی شاعری میں خشکی پیدا ہو گئی ہے۔ اردو شاعری میں مبالغے کی بھرمار تھی انہوں نے اصلیت پر زور دیا ہے۔

1- سادگی | سادگی سے مراد صرف لفظوں کی سادگی نہیں بلکہ خیالات بھی نازک اور لطیف ہونے چاہئیں۔ فن کے سمجھنے کی عام ذہنوں میں گنجائش ہو محسوسات کے عام شاہراہ پر چلنا بے تکلفی کے ساتھ سیدھے راستے سے ادھر ادھر نہ ہونا اور فکر کو جولانیاں سے باز رکھنے کا نام سادگی ہے۔ دنیا میں جو شاعر مقبول ہوئے ہیں ان کا کلام ہمیشہ ہی ایسا دیکھا گیا ہے۔ گویا سادگی سے مراد یہ ہے کہ سیدھے سادے اور فطرتی خیال کو عام بول چال سے بعید ہو گا۔ اسی قدر سادگی سے دور سمجھا جائے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شعر کسی حکیم کی نظر میں سادہ ہو اور عام آدمی اسے نہ سمجھ سکے۔ اسی طرح ایک عامیانہ شعر سن کر کوئی پست خیال جاہل اچھل پڑتا ہے لیکن عالم ناپسند کرتا ہے ایسے کلام کو سادہ نہیں بلکہ عامیانہ کلام کہا جاتا ہے۔ محاورہ روزمرہ بول چال سے مراد عوام کی بازاری قسم کی بول چال مراد نہیں ذہنی علماء و فضلاء کی بلکہ وہ الفاظ و محاورات مراد ہیں جو خاص و عام دونوں کی بول چال میں عام استعمال ہوتے ہیں لیکن سادگی کا التزام ہر کلام میں نہیں مل سکتا۔ البتہ غزل یا مثنوی کی اصناف میں ممکن ہے۔ قصیدے میں ذوق جیسے باکمال شاعر سے سادگی نہیں نہج سکتی۔ اسی وجہ سے بعض شعراء کے کلام کی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ حالی نے خیالات و الفاظ دونوں کی سادگی پر زور دیا ہے۔ الفاظ کی سادگی سے مراد یہ ہے کہ جو خیالات قدرتی طریقے سے ادا ہوں وہی بیان کئے جائیں۔ کیونکہ ایسے خیالات میں کوئی الجھاؤ نہیں ہوتا۔ ایک یورپین مفکر کے الفاظ میں بے تکلفی کے سیدھے رستے سے ادھر ادھر ہونا اور فکر کو جولانیوں سے باز رکھنے کا نام سادگی ہے۔

2- اصلیت | حالی نے ملٹن کے لفظ "SENSUOUS" کا ترجمہ اصلیت کیا ہے۔ اردو شاعری میں مبالغہ اور افراطی نے حالی کو اصلیت کی طرف متوجہ کیا ہے حالی کی اس اصلاحی و اخلاقی نقطہ نظر پر بحث کرتے ہوئے ایک ارباب نے کہا تھا "کاش حالی میں وہ جھوٹ ہوتا جو ادب عالیہ کا جوہر ہے۔"

اصلیت سے مراد وہ جوہر ہے کہ خیال کی بنیاد ایسی چیز پر ہونی چاہیے جو درحقیقت کچھ وجود رکھتی ہو نہ یہ کہ سارا مضمون اک خواب کا تماشا ہو کہ ابھی سب کچھ تھا اور آنکھ کھلی تو کچھ نہ تھا۔ یہ بات جیسی مضمون میں ہونا ضروری ہے ایسی ہی الفاظ میں بھی ہونی چاہیے۔ مثلاً ایسی تشبیہات نہ استعمال کی جائیں جن کا وجود عالم بالا پر ہو۔ گویا اصلیت سے مطلب یہ ہوا کہ شاعری میں مبالغہ اور جھوٹ سے گریز کیا جائے اور اگر واقعیت کے خلاف

بھی لکھا جائے تو خلاف فطرت نہ ہو ان خیالات کو غیر فطری نہ سمجھا جائے۔ شاعری میں اصلیت تاریخ کی طرح نہیں ہو سکتی۔ خیال کی بنیاد ایسی چیز پر ہونی چاہیے جس کا در حقیقت کوئی وجود ہو اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ وہ بالکل حقیقت پر مبنی ہو۔ شعر پانچ صورتوں میں اصلیت پر مبنی ہو سکتا ہے۔

1- پہلی صورت یہ ہے کہ جس بات پر شعر کی بنیاد رکھی گئی ہو وہ حقیقت میں موجود ہو۔

2- وہ خیال لوگوں کے عقیدے کے مطابق صحیح ہو۔ مثلاً انیس کے مرثیے وغیرہ

3- شاعر کے خیال کے مطابق ہو۔

4- سامعین کے خیال میں اسی طرح ہو جس طرح شاعر بیان کرے۔

5- شاعر نے اصلیت پر کسی قدر اضافہ کیا ہو۔

3- جوش | شعر کی تیسری خوبی یہ ہے کہ جوش سے بھرا ہوا ہو۔ اس سے صرف یہی مراد نہیں کہ شاعر نے جوش کی حالت میں شعر کہا ہو یا شعر کے بیان سے جوش ظاہر ہوتا ہو بلکہ مضمون ایسے بے ساختہ الفاظ و موثر پیرایے میں بیان کیا جائے جس سے معلوم ہو کہ شاعر نے اپنے ارادے سے یہ مضمون نہیں باندھا ہے بلکہ خود مضمون نے شاعر کو مجبور کر کے اپنے تئیں اس سے بندھوایا ہے نیز یہ بھی ضروری ہے کہ پڑھنے والے یا سننے والے کے دل میں وہی جوش پیدا کرے جو شاعر کے دل میں لکھتے وقت تھا۔

شاعر کی ذات میں ہر شے سے متاثر ہونے کا ملکہ ہوتا ہے۔ اس لیے وہ ہر جاندار اور بے جان شے کی حالت بخوبی بیان کر سکتا ہے۔ اگر ہنگامہ آرائی اور جنگ کا سامان دکھایا گیا ہو تو وہی جذبہ آشکارا ہو جیسے۔

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رن ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے
رستم کا بدن زیر کفن کانپ رہا ہے
ہر قصر سلاطین زمن کانپ رہا ہے
شمشیر بکھ دیکھ کے حیدر کے پسر کو
جبرئیل لرزتے ہیں سمیٹے ہوئے پر کو

جوش سے یہ مراد نہیں کہ مضمون خواہ مخواہ جو شیللا ہو یعنی جوشیے الفاظ استعمال کئے جائیں۔ ہو سکتا ہے کہ

الفاظ نرم ہوں خیالات سنجیدہ ہوں مگر جوش چھپا ہوا ہو۔ مثلاً

میر کا شعر

ہمارے آگے ترا جب کونے نام لیا
دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

عربی شاعری میں سب سے زیادہ جوش ہوتا تھا۔ اس کا سبب کچھ ان کے گرم خون کی خاصیت تھی کچھ واقعات و سچے حالات اور واردات قلب۔ جوش مضمون کا جوش دل میں پیدا ہوتا فوراً بغیر تصنع کے بیان کر دیتے

تھے۔ عشقیہ اشعار زیادہ تر وہی لوگ کہتے تھے جو کسی کے ساتھ جنگ کرتے یا سرد میدان تھے مگر خلافت عباسیہ کے زمانہ سے یہ جوش کم ہونا شروع ہوا اور تقلیدی رنگ غالب آگیا۔ رفتہ رفتہ یہ رنگ ایران سے ہوتا ہوا ہندوستان پہنچا اور شاعری کا زوال شروع ہوا۔

جس شعر میں یہ تینوں خوبیاں سادگی، جوش اور اہلیت موجود ہوں وہ شعر کو عمدہ بنادیں گی۔ ان تینوں میں سے دو یا ایک خوبی بھی شعر کو اچھا بنا سکتی ہے جس شعر میں سادگی و جوش اور اصلیت نہیں ہے وہ شعر بے کیف و بے مزہ ہو گا اور ایسے اشعار ہمارے شعراء کے دیوانوں میں بھرے پڑے ہیں۔ حسب ذیل اشعار میں یہ تینوں خصوصیات موجود ہیں۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

جب نام ترا لیجے تب چشم بھر آوے
اس طرح کے چینے کو کہاں سے جگر آوے

کیا شعر کے لئے وزن اور قافیہ ضروری ہیں؟

(14)

وزن | شعر کے لئے وزن نہایت ضروری چیز ہے۔ وزن کے بغیر اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ بعض نقادوں نے لکھا ہے کہ شعر کے لئے وزن کوئی ضروری نہیں۔ قدیمی عرب ہر پر جوش اور مؤثر انداز تقریر و تحریر کو شعر کہتے تھے۔ جس کا کلام پر اثر ہوتا اسے شاعر کہا جاتا۔ محقق طوسی کی بھی یہی رائے ہے کہ قدیم فارسی عربی اور سریانی میں شعر کے لئے وزن ضروری نہ تھا۔ وزن شعر کے لئے ضروری تو ہے لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ شعر کا دار و مدار وزن پر ہے ہاں البتہ شعر میں وزن اس کی شان کو دو بالا اور اثر انداز ضرور بنادیتا ہے۔

یورپی محقق بھی یہی کہتا ہے کہ اگرچہ وزن پر شعر کا انحصار نہیں اور ابتداء میں وہ مدتوں اس زیور سے معطل رہا مگر وزن سے بلاشبہ اس کا اثر زیادہ ہو جاتا ہے۔

قافیہ | ہمارے شعراء قافیہ کو وزن کی طرح ضروری سمجھتے ہیں۔ انہوں نے شاعری کو قافیہ کی قید میں جکڑ رکھا اس کے حقیقی جوہر کو کھودیا ہے شاعری کسی بندش یا قید میں نہیں رہ سکتی۔ یہ تو طبع آزادی کی آزاد اختراع ہے جس کو قید کرنا نا انصافی ہے۔ قافیہ وزن کی طرح ضروری نہیں ہے بلکہ یہ شعر کی آزادی پر غاصبانہ حملہ ہے حالی بھی شعر کے لئے قافیہ کے لابدی ہونے کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس طرح شاعری مقید ہو جاتی ہے۔ شاعر کا خیال پابند ہو جاتا ہے۔ اسے قافیہ و ردیف کے تحت سوچنا پڑتا ہے۔ اس کا ذہن آزادی سے سوچ نہیں سکتا۔ اسے سب سے پہلے قافیے اور ردیفیں جمع کرنی پڑتی ہیں۔ پھر اس کے بعد اسے قافیہ و ردیف کے تحت دو سرا مصرعہ تیار کر کے اسی کے مطابق پہلا مصرعہ سوچنا پڑتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی ذہنی اختراع کو پوری طرح عملی جامعہ نہیں پہنا سکتا وہ سب

سے پہلے یہ سوچتا ہے کہ کوئی ایسا خیال ہو جو اس مجوزہ قافیہ و ردیف میں بیان کیا جاسکے۔ سچ ہے کہ شعر کو زیادہ خوشنما بنانے کے لئے اس میں ایک ایسی قید لگائی جس سے شعر کی اصلیت باقی نہ رہے۔ بعینہ ایسی بات ہے کہ لباس کو زیادہ خوشنما بنانے کے لئے اس کی ایسی قطع رکھی جائے جس سے لباس کی عدت نمائی یعنی آسائش اور پردہ دونوں فوت ہو جائیں الغرض وزن اور قافیہ جن پر ہماری موجودہ شاعری کا دار و مدار ہے اور جن کے سوا اس میں کوئی خصوصیت ایسی نہیں پائی جاتی جس کے سبب سے شعر پر شعر کا اطلاق ہو سکے۔

15

شعری ماہیت کیا ہے؟

شعری بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں مگر کوئی تعریف ایسی نہیں جو جامع اور مانع ہو۔ البتہ لارڈ میکالے نے جو کچھ لکھا ہے وہ ہمارے ذہن کو شعر کے مفہوم کے قریب قریب لے جاتا ہے وہ کہتے ہیں کہ شاعری جیسا کہ دو ہزار برس پہلے کہا گیا تھا ایک قسم کی نقل ہے جو اکثر اعتبارات سے مصوری، بت تراشی اور ٹانگ سے مشابہ ہے مگر مصور، بت تراش اور ٹانگ کرنے والے کی نقل شاعری نسبت کسی قدر کامل تر ہوتی ہے کیونکہ الفاظ کے ذریعے صحیح اور ٹھیک نقشہ نہیں اتارا جاسکتا البتہ شاعری کا میدان اس قدر وسیع ہے کہ بت تراشی مصوری اور ٹانگ یہ تینوں فن اس کی وسعت کو نہیں پہنچ سکتے بت تراش صرف صورت کی نقل اتارتا ہے۔ مصوری صورت کے ساتھ رنگ کو بھی جھلکا دیتا ہے اور ٹانگ کرنے والے بشرطیکہ شاعر نے اس کے لئے الفاظ مہیا کر دیئے ہوں صورت اور رنگ کے ساتھ حرکت بھی پیدا کر دیتا ہے مگر شاعری باوجود یہ کہ اشیائے خارجی کی نقل میں تینوں فنوں کا کام دے سکتی ہے۔ اس کو اس بات میں فوقیت حاصل ہے کہ انسان کا باطن صرف شاعری کی تعمیر ہے اور کسی کی وہاں رسائی نہیں انسانی جذبات اور کیفیات صرف الفاظ کے ذریعے ظاہر ہو سکتی ہیں۔ شاعری کائنات کی تمام اشیائے خارجی اور ذہنی کا نقشہ اتار سکتی ہے۔

حالی نے ایک اور محقق کی شعری تعریف کو بھی تحریر کیا ہے کہ جو خیال ایک غیر معمولی اور نرالے طور پر لفظوں کے ذریعے سے اس لئے ادا کیا جاتا ہے کہ سامع کا دل اس کو سن کر خوش یا متاثر ہو وہ شعر ہے خواہ نظم میں ہو خواہ نثر میں۔

اس کے بعد حالی نے فردوسی اور سعدی کے اشعار کی مثالیں دی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اشیائے خارجی کا نقشہ تو مصور یا سنگ تراش شاید بہتر کھینچے مگر جذبات و کیفیات کی نقل شاعر کے سوا کوئی نہیں کھینچ سکتا۔ حالی نے میکالے کے خیال کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے حالانکہ انگریزی تنقید میں میکالے کو خاص اونچا مقام حاصل نہیں۔ مقدمہ میں انگریزی کے مشہور نقادوں کے نام نہیں ملتے۔ ہیزلٹ، ورڈزور تھ، کالرج، آرنلڈ ان نقادوں کے خیال کا عکس کسی نہ کسی صورت میں حالی کے ہاں ملتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کسی نہ کسی طرح ان کے خیالات سے واقفیت حاصل کر لی تھی۔ ورڈزور تھ نے شاعری کو سارے علم کی جان اور لطیف ترین جوہر کہا ہے۔ کالرج اور شیلے شعر کو انسباط کا سرچشمہ اور تخیل کی اماں گاہ قرار دیتے ہیں۔ آرنلڈ نے

شاعری کی جو تعریف کی ہے وہ کسی حد تک قائل قبول اور جامع ہے ان کے نزدیک شاعری تنقید زندگی ہے جو شاعرانہ احساسات کے ساتھ ظہور میں آتی ہیں اور اس طرح جو بہترین نغمے پھوٹتے ہیں وہ ہماری تعمیر، سیرت، تکمیل حیات اور نشاط روح کا سبب بنتے ہیں۔ حالی نے جو دوسری رائے پیش کی ہے۔ وہ محقق طوسی سے ماخوذ ہے مگر عرب نثر شائد ہی کیسی شاندار کیوں نہ ہو اسے شعر کہنے کیلئے تیار نہیں حتیٰ کہ قرآن مجید کی فصیح عبارت کو بھی وہ شعر نہیں کہتے۔ ابن رشیق نے شعر کی یہ تعریف کی ہے۔

”کلام موزوں، متغنی، بالقصد اور بالارادہ ہو“ حالی کا شعر کی بابت یہ محدود نظریہ ہے ایک طرف تو ان خیالات کا اثر ہے اور دوسری طرف وہ قدامت پرستی اور افادیت کے قائل نظر آتے ہیں۔ اس دور میں شعر کے افلوی پہلو پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ محمد حسین آزاد نے بھی شعر کی افادیت پر زور دیا ہے۔